© rasailojaraid.com

توحید اور خدا پرستی کا یہی زندہ جاوید کلمہ ہماری نمازوں کا سرنامہ بنا۔

حضرت یعقوبؑ نے مرض الموت میں توحید اور اسی ملت ابراہیمی پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت مسیحؑ بھی دنیا میں توحید ہی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے تھے مگر ان کے پیروؤں نے انہی کو رب اور الٰہ بنا لیا۔

گزشتہ تمام دینی نوشتوں اور ربانی صحیفوں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ان کے متبعین نے ان کی اس تعلیم کو فراموش کر دیا، ہندوستان کے رشیوں اور منیوں کے یہاں بھی توحید کی تعلیم و دعوت کی صراحت ملتی ہے، گوتم بدھ کے ماننے والوں نے گوان کی خاک اور یادگاروں پر معبد تعمیر کر ڈالے ہیں اور اب اس مذہب کی اشاعت کا ذریعہ ہی یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ اس کے مجسموں سے زمین کا کوئی گوشہ خالی نہ رہے اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں کسی معبود کے بھی اتنے مجسمے نہیں بنائے گئے جتنے گوتم بدھ کے بنائے گئے ہیں حالانکہ ان کی آخری وصیت جو ہم تک پہنچی ہے یہ ہے:۔

> ایسا نہ کرنا کہ میری نعش کی راکھ کی پوجا شروع کردو، اگر تم نے ایسا کیا تو یقین کرو کہ نجات کی راہ تم پر بند ہو جائے گی"

خود قرآن جو سرتاپا توحید کی تعلیم و دعوت ہے اور جس کے بارہ میں مشہور مورخ گبن کی یہ شہادت موجود ہے کہ:۔

> "محمدؐ کا اعتقاد گمان اور شبہ سے پاک تھا اور قرآن خدا کی توحید کی ایک عالی شان گواہی ہے، نبی مکی نے بتوں کی اور انسانوں کی، ثوابت اور سیاروں کی پرستش کو اس عقلی اصول پر باطل کر دیا کہ جو طلوع ہوتا ہے وہ غروب ہوتا ہے اور جو پیدا ہوتا ہے وہ مرتا ہے اور جو چیز بگڑ سکتی ہے وہ ضرور فنا ہو کر رہے گی، خلاق عالم کی پرستش اس کی عاقلانہ محبت نے اس اقرار کے ساتھ کہ وہ غیر متناہی اور قدیم ہے، صورت اور مکان سے منزہ ہے، نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ مشابہ، ہمارے چھپے سے چھپے خیالات پر مطلع، اپنی ہی ذات سے واجب الوجود اور اپنی ہی ذات سے علم اور نیکی میں کامل"

(بحوالہ سورۂ اخلاص مولانا فراہی ص ۲۳)

مگر قرآن کے ماننے والوں کا توحید کے معاملہ میں جو حال ہو گیا اس کی مولانا حالی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑھ کر کون ترجمانی کر سکتا ہے۔

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں　　پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

مآخذ و مراجع

۱۔ قرآن مجید

۲۔ العقائد الی عیون العقاد	المعلم عبدالحمید الفراہی	دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر
۳۔ اسالیب القرآن	"	"
۴۔ تفسیر سورۂ ذاریات	"	"
۵۔ تفسیر سورۂ اخلاص	"	"
۶۔ تفسیر سورۂ فاتحہ و آیت بسم اللہ	"	"
۷۔ علم الکلام حصہ اول	علامہ شبلیؒ	معارف پریس اعظم گڑھ
۸۔ "	"	"
۹۔ سیرت النبی جلد چہارم	مولانا سید سلیمان ندوی	"
۱۰۔ ترجمان القرآن	مولانا ابوالکلام آزاد	مدینہ برقی پریس بجنور
۱۱۔ حقیقت شرک	مولانا امین احسن اصلاحی	دائرہ حمیدیہ، قرول باغ دہلی
۱۲۔ حقیقت توحید	"	مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی
۱۳۔ تدبر قرآن جلد دوم	مولانا امین احسن اصلاحی	لاہور
۱۴۔ مسدس حالی	خواجہ الطاف حسین حالی	

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام

(۲)

مولانا سلطان احمد اصلاحی

بیوی کا حق سکنیٰ

اسلام کا پسندیدہ طرز معاشرت کیا ہے، خاندان کی یونٹ کن افراد پر مشتمل ہونی چاہیئے اور کب خاندان کے فرد کو الگ ہو کر اپنا علٰحدہ گھر بسا لینا چاہئے، اسلام میں بیوی کے حق سکنیٰ، یعنی الگ مکان کے حق نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ شادی کے بعد شوہر پر بیوی کی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان میں ایک ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اسے اپنے اور اپنی بیوی کے متعلقین سے الگ بالکل علٰحدہ مکان فراہم کرے۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "کنز الدقائق" میں ہے:

والسکنٰی فی بیت خال عن اھلہ واھلہا[1]	اور (شوہر پر بیوی کا ایک حق) سکنیٰ یعنی مکان ہے، جس میں شوہر اور بیوی دونوں کے متعلقین میں سے کوئی نہ ہو۔

جس کی تفصیل ہدایہ میں اس طرح کی گئی ہے:۔

وعلی الزوج ان یسکنہا فی دار مفردۃ لیس فیہا احد من اھلہ الا ان تختار ذٰلک لان السکنٰی من کفایتہا فیجب لہا کالنفقۃ[2]	اور شوہر پر واجب ہے کہ وہ بیوی کے لیے رہائش فراہم کرے، بالکل الگ گھر میں جس میں اس کے متعلقین میں سے کوئی دوسرا نہ ہو سوائے اس کے کہ وہ خود ایسا پسند کرے۔ اس لیے کہ رہائش (سکنیٰ) اس کا بنیادی

---

[1] کنز الدقائق: ۱۵۳/۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی
[2] ہدایہ: ۲/ ۴۲۱۔ رشیدیہ دہلی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حق ہے تو وہ اس کے لیے واجب ہوگا
جیسا کہ نفقہ (واجب ہے)

معلوم ہوا کہ شادی کے بعد الگ مکان بیوی کا بنیادی حق ہے جس میں اس کی مرضی کے بغیر شوہر کسی دوسرے کو ساجھی نہیں کر سکتا۔ مشترک مکان مختلف پہلوؤں سے بیوی کے لیے پریشانی اور زحمت کا موجب ہوتا ہے، جس سے اس کا بچایا جانا ضروری ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ بعض مصالح اور گھر کے حالات کے تحت بطور خود اپنے اس حق کو کم کرنے پر رضامند ہو۔ چنانچہ آگے ہے:

واذا وجب مقالیس له ان یشرك غیرها فیه لانها تتضرر به فانها لاتا من علی متاعها ویمنعها عن المعاشرة مع زوجها ومن الاستمتاع الا ان تختار ذلك لانها رضیت بانتقاص حقها[1]	اور جب رہائش (بیوی کے بنیادی) حق کے طور پر واجب ہے تو شوہر کو اختیار نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو اس میں ساجھی کرے اس لیے کہ اس کو اس سے تکلیف اور نقصان ہوگا، کیونکہ اس کو اپنے مال و اسباب کے سلسلے میں بے فکری نہیں رہے گی۔ اور اسے اپنے شوہر کے ساتھ بے تکلف رہنے اور خاص تعلق قائم کرنے میں رکاوٹ ہوگی۔ سوائے اس کے کہ وہ خود اسے پسند کرے اس لیے کہ وہ خود اپنے حق کو کم کرنے پر راضی ہے۔

یہاں تک کہ شوہر از روئے قانون دوسری بیوی سے اپنے لڑکے کو اس کے ساتھ ایک مکان میں نہیں رکھ سکتا:

وان کان له ولد من غیرها فلیس له ان یسکنه معها لما بینا[2]	اور اگر شوہر کے لڑکا ہو جو دوسری بیوی سے ہو تو اس کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اس کو اس کے ساتھ رکھے۔ اس وجہ سے جسے ہم نے بیان کیا (کہ اسے تکلیف اور بے تکلف رہنے میں رکاوٹ ہوگی)

---

[1] حوالہ سابق
[2] حوالہ مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیوی کے ساتھ آدمی صرف اپنے کمسن بچے کو رکھ سکتا ہے جسے زن وشو کے تعلقات کی سمجھ نہ ہو[۱]
بیوی کو ملنے والا یہ مکان کیسا ہو تو جس طرح کھانے اور کپڑے کے سلسلے میں امیر و غریب کے درمیان فرق ہوتا ہے، مکان کے سلسلے میں بھی یہ فرق اسی طرح ملحوظ رہے گا۔ البتہ اگر شوہر اور بیوی میں سے ایک غریب اور ایک امیر ہو تو کھانے کپڑے ہی کی طرح بیچ کی حالت کا اعتبار ہوگا۔ شوہر اپنے حالات کے لحاظ سے اس کے لیے مکان فراہم کرے۔ باقی اس پر قرض ہوگا تا آنکہ اسے کشادگی نصیب ہو جائے[۲]

فقہ کا ایک جزئیہ ہے جس سے مشترکہ خاندانی نظام کے حق میں استدلال کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ اگر شوہر بڑے مکان کے ایک حصہ کو بیوی کے حوالہ کر دے جس کا تالا کنجی اس کے پاس ہو تو اس سے اس کا حق سکنیٰ ادا ہو جائے گا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

ولو اسکنها فی بیت من الدار	اور اگر شوہر بڑے گھر کے ایک الگ حصے
مفرد وله غلق کفاها لان	میں اسے جگہ دے دے جس کا تالا کنجی الگ
المقصود قد حصل[۳]	ہو تو یہ اس کے لیے کافی ہوگا۔ اس لیے کہ (رہائش کا) مقصد حاصل ہوگیا۔

جس کے پیش نظر ہمارے یہاں مسائل کی معروف و متداول کتاب 'بہشتی زیور' میں رہنے کے لیے گھر ملنے کے بیان میں، پہلے مسئلہ کی تفصیل کے بعد کہ:

"مرد کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ بی بی کے رہنے کے لیے کوئی ایسی جگہ دیوے جس میں شوہر کا کوئی رشتہ دار نہ رہتا ہو بالکل خالی ہو تا کہ میاں بیوی بالکل بے تکلفی سے رہ سکیں البتہ اگر عورت خود سب کے ساتھ رہنا گوارہ کرے تو ساجھے کے گھر میں بھی رکھنا درست ہے[۴]"

دوسرے مسئلہ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"گھر میں ایک جگہ عورت کو الگ کر دے کہ وہ اپنا مال و اسباب حفاظت سے رکھے اور خود اس میں رہے سہے اور اس کی قفل کنجی اپنے پاس رکھے

---

[۱] الدر المختار علی رد المحتار: ۲/۹۱۲ [۲] رد المحتار مع الدر المختار، حوالہ سابق
[۳] ہدایہ، حوالہ سابق [۴] بہشتی زیور: ۴/۲۳۷، ربانی بک ڈپو لال کنواں دہلی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کسی اور کو اس میں داخل نہ ہونے دے فقط عورت ہی کے قبضہ میں رہے تو بس حق ادا ہو گیا۔ عورت کو اس سے زیادہ کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ نہیں کہہ سکتی کہ پورا گھر میرے لیے الگ کر دو[1]"

لیکن یہ بات جس عموم سے کہی گئی ہے اس سے مسئلہ کی صحیح تصویر واضح نہیں ہوتی۔ اس کی مزید تفصیل کی ضرورت ہے۔ صاحب درمختار نے بڑے گھر کے ایک حصہ کی تالا کنجی ملنے کی صورت میں، گھر سے متعلق دوسری سہولیات کا اضافہ کیا ہے:

وبیت منفرد من دار له غلق ومرافق ومفاده لزوم کنیف ومطبخ[2]	اور (بڑے گھر کا (چھوٹا) الگ مکان جس کی تالا کنجی اور دوسری سہولیات (الگ) ہوں۔ اس کا تقاضا ہے کہ پاخانہ اور باورچی خانہ اس سے لازمی طور پر ملحق ہو۔

اور آگے وہ فرماتے ہیں کہ فتویٰ بھی اسی کے مطابق دینا چاہیئے:

وینبغی الافتاء به[3]	اور چاہیئے کہ فتویٰ اسی کے مطابق دیا جائے۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی کہتے ہیں:

(ومفاده لزوم کنیف ومطبخ) ای بیت الخلاء وموضع الطبخ بان یکون داخل البیت او فی الدار لا یشارکها فیهما احد من اهل الدار[4]	(اور اس کا تقاضا کہ پاخانہ اور باورچی خانہ لازماً ملحق ہو) یعنی بیت الخلاء اور کھانا پکانے کی جگہ اس طور پر کہ وہ مکان (بیت) یا (بڑے) گھر (دار) کے اندر ہوں۔ جن میں گھر (دار) کے کسی دوسرے آدمی کا ساجھا نہ ہو۔

مکان کے سلسلے کا یہ اعلیٰ معیار ہے جسے مال دار اور صاحب حیثیت آدمی ہی نبھا سکتا ہے، سماج کے غریب اور کمزور طبقات کے لیے گنجائش ہے کہ وہ بڑے مکان کے الگ الگ حصوں میں بعض مشترکہ سہولیات کے ساتھ گزر بسر کر سکیں (جیسا کہ علامہ موصوف نے آگے کہا ہے:

قلت وینبغی ان یکون هذا فی غیر الفقراء الذین یسکنون	میں کہتا ہوں اور چاہیئے کہ یہ چیز ان غریب اور کمزور لوگوں کے علاوہ کے لیے ہو جو

---

[1] حوالہ مذکور [2] الدر المختار علی رد المحتار: ۲/۹۱۲ - [3] حوالہ السابق [4] حوالہ مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی الربوع والاحواش بحیث	جھونپڑوں اور معمولی مکانوں میں رہتے ہیں۔ اس
یکون لکل واحد بیت یحضہ	طور پر کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے مکان
ولبعض المرافق مشترکۃ	تو الگ ہوتا ہے جو اس کے لیے خاص ہوتا
کالخلاء والتنور وبئر الماء[1]	ہے۔ البتہ (گھر کی) بعض سہولتیں مشترک
	ہوتی ہیں۔ جیسے کہ بیت الخلاء، روٹی پکانے
	کا چولہا اور پانی کا کنواں۔

جس سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ اگر آدمی صاحب حیثیت ہو اور اس کے حالات اجازت دیتے ہوں تو گھر کی متعلقہ جملہ سہولیات کے ساتھ اسے بیوی کے لیے علٰحدہ مکان فراہم کرنا چاہیئے یہ نہیں کہ آدمی لاکھوں کی حیثیت کا مالک ہو اور محض جاہلانہ مشترکہ خاندانی نظام کی رعایت میں وہ الگ مکان فراہم کرنے کی قوت اور استطاعت کے باوجود محض سماج اور ماحول کے دباؤ سے بیوی کو پھیلے ہوئے گھر کے مصائب میں گرفتار رکھے۔

اس کے علاوہ بیوی کو مکان کے ایک حصہ کے تالا کنجی مل جانے کی صورت میں اس کے حق سکنیٰ کی کفایت کے جزئیہ میں تشنگی کے دوسرے پہلو بھی ہیں، جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور انھیں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن میں شوہر کے طرف سے بیوی کو مکان فراہم کرنے کا حکم اپنی حیثیت اور استطاعت (من وجدکم) کے علاوہ دو شرطوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے یعنی کہ اسے تنگی (ضیق) اور تکلیف اور نقصان (ضرر) سے بچایا جائے۔

اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ	اور ان کو (بیویوں کو) رکھو اس طرح جیسے
سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا	کہ تم رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور
تُضَآرُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ	تم انھیں نقصان میں مبتلا نہ کرو تاکہ ان پر تنگی
(طلاق : ۶)	کا راستہ نکالو۔

بڑے مکان کے ایک حصہ ملنے کی کفایت کے جزئیہ میں اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح کمزور اور نادار طبقات کے سلسلے میں گھر کی بعض سہولیات کے مشترک ہونے کے مشامی کا جزئیہ

---

[1] حوالہ سابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی الاطلاق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے جو آگے بڑے مکان (دار) کے ایک حصہ (بیت) کی کفایت کے مسئلہ میں اس شرط کا اضافہ ہے کہ یہ بات اس صورت کے لیے ہوگی جب کہ گھر کے اندر شوہر کے رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہ ہو جس سے کہ بیوی کو تکلیف پہنچنے کا اندلیشہ ہو :

فان کانت دار فیھا بیوت	پس اگر کوئی (بڑا) گھر (دار) ہو اور اس میں
واعطی لھا بیتا یغلق ویفتح	(چھوٹے چھوٹے) بہت سے گھر (بیت) کرے
لم یکن لھا ان تطلب بیتا آخر	جس میں (الگ) تالا کنجی لگائی جاسکتی ہو تو
اذا لم یکن ثمۃ احد من احماء	اسے اختیار نہیں ہوگا کہ وہ دوسرے گھر (بیت)
الزوج یوذیھا [1]	کا مطالبہ کرے۔ بشرطیکہ وہاں شوہر کے رشتہ داروں
	میں سے کوئی ایسا نہ ہو جس سے اس کو تکلیف
	پہنچنے کا اندلیشہ ہو۔

بڑے گھر کا ایک حصہ بیوی کے لیے اسی وقت کفایت کر سکے گا جبکہ اس سے متعلق حصہ میں شوہر کے متعلقین میں سے کوئی نہ ہو جسے وہ پسند نہ کرتی ہو چنانچہ آگے ہے۔

ابت ان تسکن مع احماء الزوج	بیوی شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنے
وفی الدار بیوت ان فرغ	سے انکار کردے اور (بڑے) گھر (دار) میں
لھا بیتا لہ غلق علی حدۃ	مختلف چھوٹے گھر (بیوت) ہوں تو اگر وہ اس
ولیس فیہ احد منھم لا تتمکن	کے لیے کوئی گھر خالی کر دیتا ہے جس کا تالا کنجی
من مطالبتہ بیت آخر [2]	الگ ہو اور اس میں ان میں سے کوئی نہ رہے
	تو اسے اس سے دوسرے گھر کے مطالبہ
	کا اختیار نہیں رہے گا۔

اگر بیوی سوکن اور شوہر کے دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو شوہر کے لیے تمام متعلقہ سہولیات کے ساتھ الگ مکان فراہم کرنا ضروری ہوگا۔

ولو اراد ان یسکنھا مع ضرتھا	اور اگر شوہر چاہے کہ بیوی کو اس کی سوکن
او مع احمائھا کامہ واختہ	یا اپنے رشتہ داروں جیسے اپنی ماں، بہن (دوسری
وھنتہ فابت فعلیہ ان	بیوی سے) اپنی بیٹی کے ساتھ رکھے، پس وہ

---

[1] ردالمحتار مع الدرالمختار : ۲/۹۱۳ [2] حوالہ سابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

يسكنها في منزل منفرد لان اباءها دليل الاذى والضرر[1]

انکار کرے تو اس پر لازم ہوگا کہ اسے الگ مکان میں ٹھہرائے اس لیے کہ (ساتھ رہنے سے) اس کا انکار کرنا (اس کے لیے) تکلیف اور نقصان کی دلیل ہے۔

مزید برآں اس میں ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ

ولانه يحتاج الى جماعها ومعاشرتها في اي وقت يتفق ولا يمكن ذلك مع ثالث[2]

نیز اس لیے کہ اسے اس کے ساتھ خاص تعلق اور بے تکلف رہنے کی ضرورت کسی وقت ہو سکتی ہے۔ اور کسی تیسرے کے ہوتے ہوئے یہ چیز ممکن نہیں ہو سکتی۔

اگر آدمی کے دو بیویاں ہوں تو اپنے رشتہ داروں کے بالمقابل ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ مکان فراہم کرنا اور بھی ضروری ہے۔ اور ہر بیوی کو حق ہوگا کہ وہ دوسرے سے بالکل الگ اپنے لیے مکان کا مطالبہ کرے۔

وفرق بين ما اذا جمع بين امرأتين في دار واسكن كلا في بيت له غلق على حدة لكل منها ان تطالب ببيت في دار على حدة لانه لا يتوفر على كل منهما حقها الا اذا كان لها دار على حدة بخلاف المرأة مع الاحماء فان المنافرة في الضرائر اوفر[3]

اور فرق کیا ہے جبکہ وہ دو عورتوں کو ایک (بڑے) گھر (دار) میں رکھے اور ہر ایک کو ایک مکان میں جگہ دے جس کا تالا کنجی الگ ہو تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ گھر کے اندر ایسے مکان کا مطالبہ کرے جس کی یونٹ بالکل الگ ہو۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے حقوق سے پورا استفادہ اسی وقت کر سکتی ہے جب کہ اسے بالکل الگ یونٹ کا مکان حاصل ہو۔ بخلاف اس کے کہ عورت شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ ہو۔ اس لیے کہ سوکنوں کے اندر ایک

۱و۲و۳ حوالہ سابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے سے دوری اور غیریت دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بڑھی ہوتی ہے۔

گھر کی مختصر یونٹ میں شوہر بیوی اور اپنی ماں دونوں کو ایک ساتھ نہیں رکھ سکتا:

ولیس للزوج ان یسکن امرأته وامه فی بیت واحد ؎۱	شوہر کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی اور ماں کو ایک مکان میں رکھے۔

اس لیے کہ:

لانه یکره ان یجامعها وفی البیت غیرهما ؎۲	اس لیے کہ یہ مکروہ ہے کہ وہ اس سے خاص تعلق قائم کرے جبکہ گھر میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا بھی ہو۔

البتہ بڑے گھر کی دو الگ الگ یونٹوں میں رکھے جانے پر بیوی کو اس کے علاوہ کا اختیار نہ ہوگا۔ جیسا کہ آگے ہے:

وان اسکن الام فی بیت دارہ والمرأة فی بیت آخر فلیس لها غیر ذلك ؎۳	البتہ اگر وہ ماں کو اپنے بڑے گھر کے ایک الگ حصہ میں اور بیوی کو دوسرے حصہ میں رکھے تو اسے اس کے علاوہ کا اختیار نہ ہوگا۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ چیز متوسط گھرانے کی عورت کے لیے ہے، بڑے اور شریف گھرانے کی عورت اس سے آگے کشادہ اور مستقل الگ مکان کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ جیسا کہ دوسرے فقہاء نے کہا ہے:

وذکر الخصاف ان لها ان تقول لا اسکن مع والدیك واقرباءك فی الدار فافرد لی دارا قال صاحب الملتقط هذه الروایة	اور خصاف نے کہا کہ اسے اختیار ہے کہ وہ کہے کہ میں تمہارے ماں باپ اور تمہارے رشتہ داروں کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہ سکتی تو تم میرے لیے (بڑا) گھر (دار) الگ کرو۔ صاحب ملتقط نے کہا کہ یہ

؎۱ تا ؎۳ حوالہ مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمولة على الموسرة الشريفة [1]
روایت صاحب حیثیت اور خاندانی شرافت والی عورت پر محمول کی جائے گی۔

اول الذکر روایت کو متوسط گھرانے کی عورت کے لیے خاص رکھا جائے گا علامہ شامی فرماتے ہیں:

وما ذكرنا قبله ان افراد بيت في الدار كاف انما هو في المرأة الوسط اعتبارا في السكنى بالمعروف [2]

اور وہ جو ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا کہ بڑے گھر (دار) کا ایک حصہ (بیت) الگ کر دینا کافی ہوگا تو یہ متوسط درجہ کی عورت کے لیے ہے اس لیے کہ (کھانے کپڑے کی طرح) مکان کے سلسلے میں بھی معروف کا اعتبار کیا جائے گا۔ (جبکہ عام طور پر اوسط ہی کا اعتبار ہوتا ہے)۔

خلاصہ یہ کہ:۔

ان ذلك يختلف باختلاف الناس ففي الشريفة ذات اليسار لابد من افرادها في دار ومتوسطة الحال يكفيها بيت واحد من دار ومفهومه ان من كانت من ذوات الاعتبار يكفيها بيت ولو مع احمائها وضرتها كاكثر الاعراب واهل القرى وفقراء المدن الذين يسكنون في الاحواش والربوع وهذا التفصيل هو الموافق لما مر من ان السكن

صحیح بات یہ ہے کہ یہ چیز مختلف لوگوں کے اعتبار سے مختلف رہے گی۔ پس شریف خاندان کی عورت جو صاحب حیثیت ہو اس کے لیے ضروری ہوگا۔ بالکل الگ بڑا مکان (دار) فراہم کیا جائے۔ جب کہ متوسط حالت والی کے لیے بڑے گھر کا ایک (الگ) حصہ کافی ہوگا۔ اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ غریب اور کمتر حیثیت کی عورتوں کے لیے بس ایک گھر کافی ہوگا جس میں شوہر کے رشتہ دار اور اس کی سوکنیں بھی رہ سکتی ہیں۔ جیسا کہ اکثر دیہاتی، بادیہ نشین اور شہروں کے غریب اور پسماندہ طبقات کا معاملہ ہے جو جھونپڑوں اور معمولی مکانوں میں رہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعتبر لقدر حالها ولقوله تعالیٰ
اسکنوهن من حیث سکنتم
من وجدکم وینبغی
اعتماده فی زماننا هذا فقد مر
ان الطعام والکسوة یختلفان
باختلاف الزمان والمکان[1]

یہی تفصیل اس سے ہم آہنگ ہے جو بات
اس سے پہلے گزری کہ مکان کا اعتبار میاں
بیوی کے حالات کے مطابق ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ
کے اس قول کی وجہ سے کہ 'انھیں رکھو جیسے
کہ تم رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق ....
ہمارے اس زمانہ میں اسی پر اعتماد کرنا چاہیئے
اس لیے کہ گزر چکا ہے کہ کھانے اور کپڑے
کا معاملہ زمانہ اور حالات کے لحاظ سے بدلتا
رہتا ہے۔

آگے مصنف اس سلسلے میں اپنے علاقہ کے احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس سے آج کے حالات میں بیوی کے حق 'سکنیٰ' کے سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:۔

واهل بلادنا الشامیة لا
یسکنون فی بیت من دار
مشتملة علی اجانب وهذا
فی اوساطهم فضلا عن
اشرافهم الا ان تکون
دارا موروثة بین اخوة مثلا
فیسکن کل منهم فی جهة
منها مع الاشتراک فی
مرافقها فاذا تضررت زوجة
احدهم من احمائها
او ضرتها واراد زوجها

اور ہمارے شام کے علاقہ کے لوگ اس
بڑے گھر (دار) کے ایک حصہ (بیت)
میں نہیں رہتے ہیں جس میں کہ دوسرے اجنبی
لوگ بھی رہتے ہوں۔ یہ معاملہ ان کے متوسط
طبقات کا ہے، شرفاء کی تو بات ہی الگ
ہے۔ سوائے اس کے کہ کئی بھائیوں کے
درمیان موروثی گھر (دار) ہو اور مثال کے
طور پر ان میں سے ہر ایک اس کے ایک حصہ
میں سکونت پذیر ہو جبکہ اس کی متعلقہ سہولیات
مشترک ہوں۔ تو جب ان میں سے کسی کی بیوی
شوہر کے رشتہ داروں یا اپنی سوکنوں سے

---

[1] حوالہ سابق / ۹۱۳، ۹۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسکانها فی بیت منفرد من دار لجماعة اجانب وفی البیت مطبخ وخلاء یعدون ذلک من اعظم العار علیهم فینبغی الافتاء بلزوم دار من بابها نعم ینبغی ان لا یلزمه اسکانها فی دار واسعة کدار ابیها او کداره التی هو ساکن فیها لان کثیرا من الاوساط والاشراف یسکنون الدار الصغیرة وهذا موافق لما قدمناه عن الملتقط من قوله اعتبارا فی السکنی بالمعروف اذ لا شک ان المعروف یختلف باختلاف الزمان والمکان فعلی المفتی ان ینظر الی حال اهل زمانه وبلده اذ بدون ذلک لا تحصل المعاشرة بالمعروف وقد قال تعالی ولا تضاروهن لتضیقوا علیهن ۱؎

تکلیف محسوس کرتی ہے اور اس کا شوہر کچھ اجنبی لوگوں کے بڑے مکان (دار) کے ایک الگ حصہ میں رکھنے کا ارادہ کرتا ہے جبکہ اس الگ حصہ میں باورچی خانہ اور بیت الخلاء بھی ہوتا ہے تو بھی وہ اسے اپنے اوپر بہت بڑا عار شمار کرتے ہیں۔ تو چاہیے کہ اس کے لیے اس مکان کا فتویٰ دیا جائے جو لازمی طور پر اس کے لوگوں کے درمیان ہو۔ ہاں شوہر کے لیے یہ نہیں ضروری ہونا چاہیے کہ وہ اسے اتنے ہی بڑے اور کشادہ مکان میں رکھے جیسا کہ اس کے آبائی مکان تھا یا جیسے کہ شوہر کا وہ بڑا مکان جس میں کہ وہ (اب تک) رہ رہا تھا۔ اس لیے کہ بہت سے متوسط طبقے کے لوگ بلکہ شرفاء بھی چھوٹے مکانوں میں رہتے ہیں۔ اور یہ اس کے مطابق ہے جیسے ہم نے اس سے پہلے ملتقط سے ان کا قول نقل کیا کہ سکنیٰ (رہائش) کے سلسلے میں معروف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس لیے کہ کوئی شخص نہیں کہ معروف زمانہ اور مقام کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ پس مفتی کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے زمانہ اور اپنے علاقہ کے احوال پر نظر رکھے اس لیے کہ اس کے بغیر معروف کے مطابق معاشرت کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ

۱؎ حوالہ مذکور / ۹۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے فرمایا ہے کہ تم ان کو (بیویوں کو)
نقصان میں مبتلا نہ کرو تاکہ ان کے اوپر
تنگی کا راستہ نکالو۔ ولا تضاروھن
لتضیقوا علیھن۔۔۔۔

اس تفصیل سے اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کا نقشہ بالکل نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ شادی کے بعد الگ مکان بیوی کا بنیادی حق ہے۔ خاندان کی ایک یونٹ شوہر، بیوی اور نابالغ اولاد پر مشتمل ہونی چاہئیں۔ رہی یہ بات کہ بیوی کو ملنے والا الگ مکان کیسا اور کس نوعیت کا ہو تو اس کا تعلق میاں بیوی کے حالات اور خاندان کی مجموعی صورت حال سے ہے۔ آدمی کے حالات اجازت دیں اور کوئی رکاوٹ نہ ہو تو اپنی حیثیت کے مطابق کھانے کپڑے کی طرح اس کے لیے بہتر سے بہتر الگ مکان فراہم کرنا چاہئیے۔ جس کا کسی حیثیت سے دوسرے مکان سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اس کے لیے حالات سازگار نہ ہوں تو بڑے مکان کی الگ یونٹ بھی کفایت کرسکتی ہے۔ بشرطیکہ بیوی کو شوہر کے رشتہ داروں میں سے کسی کی طرف تکلیف اور اذیت کا اندیشہ نہ ہو۔ مجبورکن حالات میں الگ مکان کے ساتھ بعض مشترکہ سہولیات کی صورت میں بھی گزر لبسر کیا جاسکتا ہے۔ مخصوص حالات میں بعض مصالح کے تحت بیوی شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ پھیلے ہوئے گھر میں رہنے کے لیے آمادہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ اصل بات وہی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ مکان آدمی کی حیثیت کے مطابق (من وجدکم) ہونا چاہئیے۔ اور ایسا ہو کہ بیوی تنگی (ضیق) اور نقصان (ضرر) کے بغیر آسانی کے ساتھ اس میں رہ سکے۔

اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ (طلاق: ۶)

اور تم انھیں رہائش دو جیسے کہ تم رہتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انھیں نقصان میں مبتلا نہ کرو تاکہ ان کے اوپر تنگی کا راستہ نکالو۔

مکان کی ایسی صورت جس میں بیوی غیر معمولی طور پر تنگی کا شکار ہو اسے اس کے نکالنے کے مرادف ہے۔ اسی لیے آیت کی تفسیر میں بجا طور پر کہا گیا ہے۔

(لتضیقوا علیھن) فی المسکن (تاکہ تم ان پر تنگی کا راستہ نکالو) مکان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ببعض الاسباب من انزال من لا یوافقھن او یشغل مکانھن او غیر ذلک حتی تضطروھم الی الخروج[1]

سلسلے میں کسی بھی سبب سے کہ اس میں ان لوگوں کو لاکر رکھ دو جن سے ان کی سازگاری نہ ہو یا یہ کہ وہ ان کے مکان کو پوری طرح چھین لیں یا اس کے علاوہ کوئی اور وجہ یہاں تک کہ تم انھیں (گھر سے) نکلنے کے لیے مجبور کردو۔

جس کا سب سے بہتر اور محفوظ طریقہ یہی ہے کہ بیوی کو تمام متعلقہ سہولیات کے ساتھ بالکل الگ مکان فراہم کیا جائے۔ مکان چاہے جس معیار کا ہو لیکن اس کی یونٹ بالکل الگ اور خود کفیل ہونی چاہیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے بھی، جیسا کہ اوپر تفصیل گزری، اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔ آپؐ نے اپنی تمام بیویوں کے لیے الگ مکان فراہم کیے۔ جن کے مالی معاملات بھی ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ تھے۔ جبکہ یہ پیغمبرؐ کی بیویاں تھیں جن کی طہارت باطنی اور اخلاق وعمل کی پاکیزگی کی شہادت خود قرآن فراہم کرتا ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ○ (احزاب: ۳۳)

اللہ تو بس چاہتا ہے کہ تم سے (ظاہری و باطنی) ہر طرح کی گندگی کو دور کردے اے اہل بیت اور (اخلاق وعمل ہر لحاظ سے) تم کو پاک سے پاک کردے۔

آیت کریمہ میں 'اہل بیت' سے مراد خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں[2]۔
جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ازواج مطہرات کے لیے الگ مکان فراہم کیے جبکہ تنگی اور نقصان سے محفوظ رہنے کی ان سے بڑھ کر کہیں اور ضمانت نہیں ہوسکتی، تو امت کے دوسرے افراد کی نسبت سے یہ چیز جس درجہ مطلوب ہوگی، ظاہر ہے۔

ایک دوسرے پہلو سے بھی ہر بیوی کے لیے الگ خود کفیل مکان کے پہلو کو تقویت ملتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کو غیر عورتوں کے پاس جانے سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید کی ہے:-

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل ۴/۱۲۲۔ دارالمعرفۃ، بیروت [2] تفسیر الجلالین ۵۵۲/۔ طبع مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایاکم والدخول علی النساء — (لوگو) غیر عورتوں کے پاس جانے سے بہت زیادہ پرہیز کرو۔

اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا شوہر کے بھائی باپ اور دوسرے رشتہ داروں (حمو) کا بھی یہی حکم ہے:

فقال رجل یا رسول اللہ ارأیت الحمو؟ — تو ایک شخص نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا شوہر کے رشتہ داروں کا بھی یہی حکم ہے؟

جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید ہندوستان کی طرح اس وقت عرب میں بھی اس چیز کو کچھ معیوب خیال نہ کیا جاتا تھا۔ تو اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ:۔

الحمو الموت [1] — شوہر کے رشتہ دار (خاص طور پر ان میں مرد) موت کی طرح بچنے کی چیز ہیں۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے صاحب لمعات نے بہت اچھی بات کہی ہے کہ:

والمراد تحذیر المرأۃ منہم کما یحذر من الموت فان الخوف من الاقارب اکثر و الفتنۃ منہم اوقع لتمسکہم من الوصول والخلوۃ من غیر نکیر [2] — اس سے مراد عورت کو ان سے ڈرانا ہے جیسے کہ موت سے ڈرا جاتا ہے اس لیے کہ رشتہ داروں سے اندیشہ زیادہ ہوتا ہے اور ان کی طرف سے فتنہ کے امکانات بہت بڑھے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے لیے اس تک پہنچنے اور تنہائی حاصل کرنے پر پورا قابو ہوتا ہے اور اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا ہے۔

اس کا بھی تقاضا ہے کہ ہر خاندان کو چھوٹا بڑا جیسا بھی ہو خود کفیل الگ مکان فراہم ہونا چاہیئے۔ بڑے گھر کا ایک حصہ جس کی بہت سی سہولیات مشترک ہوں، اس کے اندر اس حدیث رسولؐ کی معنویت باقی نہیں رہے گی۔

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح۔ کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبۃ

[2] لمعات شرح مشکوٰۃ (عربی) بحوالہ حاشیہ مشکوٰۃ /۲۶۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے علاوہ بیوی کو بڑا خود کفیل مکان ملنے کے سلسلے میں، جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے، صرف مال داری اور خاندانی پس منظر (FAMILY BACK GROUND) کو ہی معیار نہ ہونا چاہیے۔ بسا اوقات کمتر سماجی حیثیت کی عورت بھی تعلیم و تربیت سے آراستہ اور خاص ماحول میں پروان چڑھ کر، مستقل الگ مکان کے صحیح اسلامی ذوق میں پختہ تر ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں اگر شوہر کی طرف سے کوئی دوسری مجبوری اور رکاوٹ نہ ہو تو محض اس کے سابقہ خاندانی پس منظر کی بنیاد پر اسے اپنے اس بنیادی حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ اسلام کا زیادہ تر رجحان اس کے حق میں، اور جیسا کہ تفصیلات گزریں، وہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ محرکات فراہم کرتا ہے۔

پردے کے احکامات سے استدلال

اسلام جس طرزِ معاشرت کا علمبردار ہے، عورتوں کا پردہ اس کا اہم ترین جزء ہے۔ جس کے احکام قرآن نے بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اس کے بین السطور میں وہ بہت سی باتیں ملتی ہیں جو اس بات کا صاف پتہ دیتی ہیں کہ سماج کے اندر ہر خاندان کا مکان الگ اور اس کی یونٹ بالکل علٰحدہ ہونی چاہیے۔

سلام کے ذریعہ گھر میں داخلہ ورنہ واپسی

سورۂ نور میں پردہ کے احکامات کی تفصیل کرتے ہوئے قرآن نے سب سے پہلے جو بات کہی ہے وہ یہ کہ آدمی کسی دوسرے کے گھر میں انسیت پیدا اور سلام کیے بغیر داخل نہ ہو۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ لَا تَدْخُلُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں
بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی	کے علاوہ دوسرے کسی گھروں میں داخل
تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی	نہ ہو جب تک تم انسیت نہ پیدا کرلو اور
اَھْلِھَا ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ	اس کے لوگوں تک سلام نہ پہنچالو۔ یہ تمہارے
لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝	لیے زیادہ بہتر ہے شاید کہ تم یاد دہانی
(نور: ۲۷)	حاصل کرو۔

اس کے بعد بھی آدمی اسی وقت داخل ہو جبکہ باقاعدہ اجازت مل جائے۔ اگر گھر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی نہ ہو یا اجازت نہ ملے تو واپس چلے آنا چاہیے :۔

فان لم تجدوا فیھا احدا	پس اگر تم ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل
فلا تدخلوھا حتی یؤذن	نہ ہو یہاں تک کہ تم کو اجازت مل جائے
لکم وان قیل لکم ارجعوا	اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ
فارجعوا ھو ازکی لکم واللہ	تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لیے زیادہ
بما تعملون علیم ٥	پاکی کا باعث ہے۔ اور اللہ جاننے والا
(آیت: ۲۸)	ہے اسے جو تم کرتے ہو۔

گھر کے اندر کوئی نہ ہو اور مکان خالی ہو یہ بات اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کہ مکان چھوٹا اور اس کی یونٹ الگ ہو۔ ورنہ ایک پھیلا ہوا خاندان جو سو پچاس افراد پر مشتمل ہو اور جس کے اندر مختلف دادوں کے بے شمار بیٹوں پوتوں اور ان کے متعلقین کی پوری بستی آباد ہو اسے کوئی آفت ناگہانی ہی خالی کرا سکتی ہے۔

کوئی بھی چیز پردے کے اوٹ سے طلب کی جائے

اس سلسلے میں دوسرے موقعہ پر قرآن نے ایک تاکید یہ کی ہے کہ آدمی کو کسی کے گھر سے کوئی چیز لینی ہو تو اس کے اندر گھسے بغیر اسے خواتین سے پردہ کے اوٹ سے طلب کرنا چاہیے۔ ازواج مطہرات جو امت کی مائیں ہیں ان سے کوئی چیز لینے کا طریقہ یہ بتایا گیا۔

واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن	اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو ان سے
من وراء حجاب ذلکم	پردے کے اوٹ سے مانگو۔ یہ زیادہ پاکی
اطھر لقلوبکم وقلوبھن	کا باعث ہے تمہارے دلوں کے لیے اور
(احزاب: ۵۳)	ان کے دلوں کے لیے بھی۔

پردے کے اوٹ سے سامان طلب کرنے میں پردے کا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ مکان چھوٹا اور اس کی یونٹ الگ ہو ورنہ قلعہ نما مکان جس کا صدر دروازہ تو ایک ہو لیکن اندر ایک گھر کے نام پر پورا محلہ آباد ہو، اس میں اگر آدمی اندر گھس کر کسی خاتون کے کمرے کے پردے کے اوٹ سے کوئی چیز طلب کرے تو پردے کے حکم کی کوئی معنویت باقی نہیں رہے گی۔ ازواج مطہرات کے حوالے سے یہ تاکیدی حکم پوری امت کے لیے ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امت کی خواتین کو اس کا فائدہ الگ مکان کی صورت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

گھر میں بے تکلف آمد و رفت رکھنے والوں کا محدود دائرہ

اسلام نے اصول فطرت کے عین اقتضاء سے پردے کے حکم میں تخصیص رکھی ہے۔ عورت کے قریب ترین اعزہ جن سے ہمیشہ کے لیے رشتہ ازدواج حرام ہے، ان کے سلسلے میں قرآن نے اجازت دی ہے کہ وہ گھر میں بے تکلف آجا سکتے ہیں اور وہ ان کے سامنے اپنی زینت و آرائش کو ظاہر کر سکتی ہے۔ باپ، بیٹے، بھائی، بھتیجوں اور بھانجوں اور اسی طرح کے قریبی رشتہ داروں سے حجاب نہیں ہے۔ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا
لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ
اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ
اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ
اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي
الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ
الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ
النِّسَآءِ (نور: ۳۱)

اور وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے اور اپنے باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں سے یا اپنے بھانجوں سے یا اپنی (بے تکلف کی) عورتوں سے یا ان (غلام باندیوں) سے جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں یا گھر پر لگے رہنے والے ماتحت مردوں سے جنھیں شہوانی خواہش نہیں ہے، یا ان بچوں سے جنھیں عورتوں کے بھیدوں سے آگاہی نہ ہو۔

دوسرے موقعہ پر ازواج مطہرات کے حوالہ سے بھی امت کی ماؤں اور بہنوں کو اسی کی تلقین کی گئی:

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ
وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ
وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ
اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِيْنَ

ان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے اپنے باپوں کے سلسلے میں اور اپنے بیٹوں کے سلسلے میں اور اپنے بھتیجوں کے سلسلے میں اور اپنے بھانجوں کے سلسلے میں اور اپنی (بے تکلف) عورتوں کے سلسلے میں اور نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ۝ (احزاب : ۵۵)

ان (غلام باندیوں) کے سلسلے میں جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں۔ اور تم اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

ان قریبی اعزہ اور انہی جیسے چند دیگر افراد کے علاوہ عورت اپنے دوسرے اعزہ و اقرباء کے سامنے زیب و زینت کے اظہار کے ساتھ بے تکلفی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ شوہر کے بھائی، بھتیجے، اس کے چچا اور ان کے لڑکے وغیرہ سے بھی دیگر غیر محرم اور اجنبی افراد کی طرح عورت کا پردہ ہے۔ جس کی صورت ظاہر ہے گھر کی الگ یونٹ میں ہی ہوسکتی ہے۔ مختلف دادوں کے بیٹوں اور پوتوں وغیرہ پر پھیلے ہوئے طویل و عریض خاندان میں عورت کی زیب و زینت اجنبیوں کے سامنے ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور یہ گھر جو پورے خاندان کی مشترکہ ملکیت ہے اس میں کوئی شخص کسی دوسرے پر پابندی اور قدغن بھی نہیں لگا سکتا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس مقام پر ایک شبہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مثالی مشترکہ خاندان کا دستور ہے کہ اس میں مردوں کا اندرون خانہ سے تعلق کم سے کم تر ہوتا ہے۔ اس طرز معاشرت میں نمونہ کا مرد وہ ہے جو گھر سے ہی نہیں اپنے بیوی بچوں سے بھی برائے نام واسطہ رکھے۔ اس سے بھی بڑھ کر آئیڈیل وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے حقوق کو نظر انداز کرے۔ اور گھر اور خاندان کے مفادات میں ان کی طرف توجہ کرنے کا اسے موقعہ ہی نہ ملے۔ اس صورت میں جبکہ مرد کا گھر سے تعلق برائے نام اور اسے کبھی کبھار ہی اس میں داخل ہونا ہو، کہا جا سکتا ہے کہ پھیلے ہوئے خاندان میں بھی پردے کے حدود و آداب کو آسانی سے نباہا جا سکتا ہے۔ اور گھر کی اتفاقیہ آمد میں مرد نامحرموں سے آنکھیں بچا کر کام چلالے جائے گا۔ لیکن اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام میں یہ چیز قابل عمل نہیں ہوسکتی جس میں مرد کا رات کا پورا اور دن کا کچھ وقت بھی لازماً اپنے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ گزرنا چاہیئے۔ پردے کے احکام کے بیان میں قرآن نے ایک اہم ہدایت یہ دی ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِيَسۡتَاۡذِنۡكُمُ الَّذِيۡنَ مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو چاہیئے کہ تم سے اجازت لے کر اندر آئیں وہ (غلام اور باندیاں)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ
قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ
تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ
الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ
الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ
لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ
جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝
(نور : ۵۸)

جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں اور وہ (کمسن)
جو ابھی سمجھ کی عمر کو نہیں پہنچے ہیں، تین
وقتوں میں۔ فجر کی نماز سے پہلے اور جب
تم دوپہر (قیلولہ) میں اپنے کپڑے اتارتے
ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تمہارے لیے
تین پردے کے وقت ہیں۔ اس کے بعد
تمہارے اور ان کے اوپر کوئی حرج نہیں
ہے، تمہارا ایک دوسرے پر (بے تکلف
بیشگی اجازت کے بغیر) آنا جانا ہو سکتا
ہے، اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنی
آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور اللہ
علم والا، حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں گھر میں بے تکلف آمد و رفت رکھنے والے غلاموں اور نابالغ بچوں کو تین اوقات میں اجازت کے بعد گھر میں داخلہ دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ عشاء کے بعد، فجر سے پہلے اور دوپہر میں قیلولہ کے وقت۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رات کے پورے وقت کے علاوہ دن کا ایک حصہ بھی مرد کا گھر کے اندر گزرنا چاہیئے۔ مرد گھر کے بجائے زیادہ تر باہر رہے اور اپنی بیوی سے اس کا تعلق کبھی کبھار ہی قائم ہو، مشترک خاندان کے اس مثالی آئین کو قرآن دوسرے موقعہ پر مسترد قرار دیتا ہے جبکہ وہ بیوی سے خواب گاہ الگ اور اس سے بستر جدا کر لینے کو اس کے حق میں سزا قرار دیتا ہے۔ جس کے بعد اسے 'مارنے' ہی کی آخری سزا باقی رہ جاتی ہے۔ نافرمانی کی صورت میں عورت کی اصلاح کے طریقوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ
فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ
فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ
فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

اور وہ عورتیں جن سے تم نافرمانی کا اندیشہ
رکھتے ہو تو تم ان کو سمجھاؤ اور انھیں خوابگاہوں
میں (تنہا) چھوڑ دو اور انھیں (ہلکی مار) مارو۔
پس اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا (نساء: ۳۴) زیادتی کا راستہ نہ تلاش کرو۔

بے تکلف دعوتوں کا سلسلہ

اسلام کا مطلوبہ خاندانی نظام دوستی وتعلق کی آئینہ داری کا نظام ہے۔ جس میں محبت والفت کے اظہار کے دوسرے طریقوں کے علاوہ خاص طور پر خاندان کے قریبی لوگوں میں برابر بے تکلف دعوتوں کا سلسلہ چلتے رہنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں قرآن نے خاندان کے قریبی لوگوں کے علاوہ سماج کے کمزوروں اور معذوروں کا خاص طور پر لحاظ رکھا ہے۔ جو خاندان کے افراد ہی کی طرح بے تکلف دوسرے کے گھروں سے کھا سکتے اور ضرورت کے وقت ان کی کنڈی کھٹکھٹا سکتے ہیں۔ جن میں خاندان کے گھروں کے علاوہ کچھ دوسرے گھر بھی ہیں جو اسی حکم میں شامل ہیں۔ ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہا ہے:

لیس علی الاعمی حرج ولا	اندھے کے لیے کوئی حرج نہیں ہے، اور
علی الاعرج حرج ولا علی	نہ لنگڑے کے لیے کوئی حرج ہے اور نہ
المریض حرج ولا علی	تمہارے اپنے اوپر کوئی حرج ہے کہ تم
انفسکم ان تاکلوا من	کھاؤ اپنے گھروں سے اور اپنے باپوں کے
بیوتکم او بیوت اباءکم	گھروں سے اور اپنی ماؤں کے گھروں سے
او بیوت امھاتکم او	اور اپنے بھائیوں کے گھروں سے اور اپنی
بیوت اخوانکم او بیوت	بچی اور پھوپھیوں کے گھروں سے اور اپنے
اخواتکم او بیوت اعمامکم	خالوؤں اور ماموؤں کے گھروں سے اور
او بیوت عمّٰتکم او بیوت	اپنی خالاؤں اور ممانیوں کے گھروں سے
اخوالکم او بیوت خٰلٰتکم	جو تمہارے ہاتھ کی ملک ہیں یا اپنے دوستوں
او ماملکتم مفاتحہ او	کے گھروں سے۔ تمہارے اوپر کوئی حرج
صدیقکم لیس علیکم جناح	نہیں ہے کہ تم سب اکٹھا مل کر کھاؤ یا
ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا.....	الگ الگ ہو کر۔

(نور: ۶۱)

اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے بیان میں یہ آیت کریمہ خاص توجہ کی مستحق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس میں بہن بہنوئی، چچا چچی، خالہ خالو وغیرہ ہی نہیں باپ، بیٹے، ماں اور بھائیوں کے مکان بھی ایک دوسرے سے الگ قرار دیئے گئے ہیں۔ آیت کریمہ میں ہر جگہ گھروں "بیوت" کی نسبت متعلقہ افراد کی طرف الگ الگ کی گئی ہے۔ جو اس کا صاف اشارہ ہے کہ ان قریب ترین رشتوں میں ہر ایک کا مکان اور اس کی متعلقہ سہولیات۔ دوسرے سے بالکل الگ ہونی چاہئیں۔

ایک اہم معاشرتی نکتہ

اسی سلسلۂ بیان میں قرآن نے ایک اہم معاشرتی نکتہ سے پردہ اٹھایا ہے۔ اور وہ یہ کہ گھر کے اندر غیر متعلق افراد کی موجودگی باعث اذیت ہوتی ہے۔ حساس آدمی مروتاً ہیں اس کا اظہار نہ بھی کرے پھر بھی وہ اس کی وجہ سے ایک الجھن اور نفسیاتی گھٹن محسوس کرتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کریمہ کا پیکر تھے۔ قرآن وحدیث کے صفحات اس کی شہادت سے بھرے ہیں۔ اس کے باوجود قرآن نے آپ کی ذات گرامی کے سلسلے میں اس حقیقت کا کھلے لفظوں میں اظہار کیا ہے تو امت کے عام افراد کی نسبت سے اس کا امکان کس قدر زیادہ ہوگا اسے آسانی کے ساتھ محسوس کیا جا سکتا ہے۔ انسانیت کے محسن اعظم اپنی عسرت کی زندگی کے باوجود اپنے لوگوں کی بے تکلف دعوت اور ان کے کھانے کھلانے کا برابر اہتمام رکھتے تھے۔ بہت سے لوگ بے احتیاطی میں کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی آپ کے گھر میں آدھمکتے اور ادھر ادھر کی باتوں میں لگے رہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاق کریمانہ سے مجبور ہو کر انھیں کچھ نہ کہہ پاتے۔ سورہ احزاب میں قرآن نے پردے کے احکام سے پہلے لوگوں کی توجہ اسی طرف مبذول کرائی:۔

یا ایھا الذین آمنوا لاتدخلوا	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نبی (صلی اللہ
بیوت النبی الا ان یوذن	علیہ وسلم) کے گھروں میں داخل نہ ہو سوائے
لکم الی طعام غیر ناظرین	اس کے کہ تم کو اجازت مل جائے۔ یہ نہ ہو
اناہ ولکن اذا دعیتم	کہ کھانا تیار ہونے کے انتظار میں پہلے ہی سے
فادخلوا فاذا طعمتم	آدھمکو۔ بلکہ جب تم کو بلایا جائے تب اندر
فانتشروا ولا مستأنسین	داخل ہو۔ پس جب کھا چکو تو الگ الگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لحديث ان ذلكم كان يؤذى النبي فيستحي منكم والله لا يستحي من الحق ..... (احزاب: ۵۳)

راستے سنبھال لو۔ اور باتوں کے لیے جم کر بیٹھ نہ جاؤ۔ بیشک یہ چیز نبیؐ کو دکھ دینے والی ہے لیکن وہ تم سے حجاب کرتا ہے۔ اور اللہ حق سے حجاب نہیں کرتا۔

ظاہر ہے کہ آیت کریمہ میں جن اہلِ ایمان کی موجودگی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اذیت کا باعث بتایا گیا ہے اس میں صرف دور دراز کے ہی لوگ نہ ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور قریب کے اعزہ بھی اس میں لازماً شامل ہوں گے جو مشترکہ خاندان کے خاکے میں ایک گھر کے افراد اور ان کا صبح شام کا اٹھنا بیٹھنا ایک ساتھ ہوتا ہے۔ اس تکلیف اور اذیت سے بچنے کی مستقل صورت یہی ہے کہ گھر الگ اور اس کی یونٹیں چھوٹی سے چھوٹی ہوں۔ آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے بعض بزرگوں نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:۔

فوردت الآية جامعة لآداب منها المنع من اطالة المكث في بيوت الناس وفي معنى البيت موضع مباح اختاره شخص لعبادته او اشتغاله فيأتيه احد ويطيل المكث عنده۔ [1]

پس یہ آیت بہت سے آداب کی جامع ہے۔ انہی میں سے ہے کہ لوگوں کے گھروں میں دیر تک پڑے نہیں رہنا چاہیے اور گھر ہی کے معنیٰ میں وہ کھلی جگہ ہے جسے کسی شخص نے اپنی عبادت یا کسی دوسرے کام کے لیے منتخب کر لیا ہو تو کوئی شخص آنے اور اس کے پاس دیر تک پڑا رہے۔

مالیت کی علیحدگی کے بعض دیگر اشارات

اس تفصیل سے بخوبی واضح ہے کہ اسلام کے نقشہ میں مشترکہ خاندانی نظام کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور وہ اس کو ہر طرح سے مسترد قرار دیتا ہے۔ الگ مکان کا مقصد اس کا اصل فائدہ مالیات کی علیحدگی کی صورت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ازواج مطہرات کے گھروں کے بیان میں اس کی کسی قدر تفصیل گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن

[1] مفاتیح الغیب: ۶/ ۶۲۴، طبع عامرہ ۱۳۰۸ھ ج

۳۴۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دوسرے اشارات بھی ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا مطالبہ گھروں کی علحدگی کے ساتھ ان کے مالیاتی نظام کی علحدگی کا بھی ہے۔ یتیموں اور کمزوروں کو اسلام کو جیسا کچھ خیال ہے معلوم ہے۔ ان کے سلسلے میں قرآن نے ایک اہم ہدایت یہ کی ہے کہ:

وآتوا الیتامیٰ اموالہم ولا	اور یتیموں کو ان کا (الگ) مال حوالہ کردو
تتبدلوا الخبیث بالطیب	اور اچھے کا برے سے تبادلہ نہ کرو۔ اور ان
ولا تاکلوا اموالہم اموالکم انہ	کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملاکر نہ کھاؤ۔
کان حوبا کبیرا ہ (نساء: ۲)	بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یتیم ظاہر ہے کہ عام طور پر پوتے پوتی اور بھتیجے بھتیجی وغیرہ ہی ہوتے ہیں جو سرسے باپ کا سایہ اٹھ جانے کی وجہ سے بے سہارا ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ان کے سرپرستوں کو جو ظاہر ہے ان کے دادا اور بڑے باپ وغیرہ ہی ہوں گے یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ ان کے مال کو پورا پورا ان کے حوالہ کردیں۔ اور ان کے اچھے مال کا تبادلہ بری چیز سے نہ کریں۔ اور نہ ان کے مال کو اپنے مالوں میں ملاکر کھا جانے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے یہ یتیم مال کے مالک اسی صورت میں ہوں گے جبکہ ان کا گھر الگ اور ان کے مالی معاملات دوسروں سے بالکل علحدہ ہوں۔ ورنہ ہمارے یہاں کے مروجہ مشترک خاندانی نظام میں جہاں پھیلے ہوئے گھر میں اس کے ذمہ دار افراد میں سے بھی کسی شخص کی ملکیت اور اس کے حقوق کا کوئی تعین اور تشخص نہیں ہوتا، ناقابل لحاظ نابالغ یتیموں کے الگ مال اور ملکیت کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

آگے اسی سلسلے میں یتیموں کے سرپرستوں کو مزید ہدایات دیتے ہوئے فرمایا:۔

ولا تؤتوا السفہاء اموالکم	اور نہ سمجھوں کو اپنا مال نہ دو جسے کہ اللہ
التی جعل اللہ لکم قیما	نے تمہارے لیے زندگی کی بقاء کا ذریعہ
وارزقوھم فیھا واکسوھم	ٹھہرایا ہے اور اس میں ان کو کھلاؤ اور ان
وقولوا لہم قولا معروفا ہ	کو پہناؤ اور ان سے بھلی بات کہو اور یتیموں
وابتلوا الیتمیٰ حتی اذا بلغوا	کو آزماتے رہے یہاں تک کہ جب وہ نکاح
النکاح فان آنستم منہم	کی عمر کو پہنچ جائیں تو اگر تم ان کی طرف سے
رشدا فادفعوا الیہم	سمجھداری کو بھانپ لو تو ان کا مال ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اموالھم ولا تاکلوھا	حوالہ کردو اور اسے اللے تللے اور جلدی
اسرافا و بدارا ان یکبروا	میں نہ کھاؤ کہ وہ بڑے ہو جائیں (تو اس
ومن کان غنیا فلیستعفف	کا موقعہ نہ رہے) اور جو صاحب حیثیت
ومن کان فقیرا فلیاکل	ہو تو چاہئیے کہ بالکل ہاتھ بچا کر رہے اور
بالمعروف ط فاذا دفعتم	جو ضرورت مند ہو تو وہ بھلائی کے ساتھ کھائے
الیھم اموالھم فاشھدوا	تو جب تم ان کا مال ان کے حوالہ کرو تو ان
علیھم ط وکفیٰ باللہ حسیباہ	پر گواہ ٹھہراؤ اور نگرانی کے لیے اللہ کافی
(نساء: ۵-۶)	ہے۔

ظاہر ہے یتیموں کے سلسلے میں ان ہدایات کی معنویت بھی اسی صورت میں ہے جبکہ ان کا گھر اور ان کے مالی معاملات علٰحدہ ہوں۔ مشترک خاندان میں جہاں بڑے بڑوں کے حقوق زیاں کا شکار اور بڑے گھر کے سمندر میں ان کی مالی حیثیتوں کا کچھ پتہ نہ ہو، نابالغ یتیموں کی الگ مالی حیثیت کی بابت سوچا بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ معاملہ اس صورت سے متعلق ہے جبکہ انتظام کی سہولت کے پیش نظر یتیموں کے مالوں کو سرپرستوں نے اپنے مال کے ساتھ ملا لیا ہو۔ دوسرے موقعہ پر قرآن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی بڑی زحمت اور رکاوٹ نہ ہو تو ان کے معاملات کو الگ رکھنا ہی مناسب ہے۔ اور اگر ملا لینا ضروری ہو تو پوری دیانت داری سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ ان کا مال اللے تللے خرچ کیا جائے نہ ان کی ضروریات کو حد سے بڑھایا جائے اور نہ کسی قسم کی خرد برد سے کام لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے محض زحمت اور تنگی سے بچانے کی خاطر یہ سہولت فراہم کر دی ہے۔ اس لیے سخت پرہیز کی ضرورت ہے کہ اس کے سلسلے میں کسی قسم کی بے احتیاطی نہ ہونے پائے:

ویسئلونک عن الیتامیٰ قل	وہ تم سے یتیم کی بابت پوچھتے ہیں تو کہہ دو
اصلاح لھم خیر وان	کہ (ان کا حساب الگ رکھ کر) ان کی
تخالطوھم فاخوانکم	بھلائی کا سامان کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اور
واللہ یعلم المفسد من	اگر تم انھیں اپنے میں ملا لو تو وہ تمہارے
المصلح ولو شاء اللہ لاعنتکم	بھائی ہیں۔ اور اللہ کو پتہ ہے کہ کون ٹھیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان اللہ عزیز حکیم

(بقرہ: ۲۲۰)

اور کون گڑبڑی کرنے والا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو (ملانے کی ممانعت کرکے) تم کو سختی میں ڈال دیتا۔ بیشک اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔

اس کے باوجود جو لوگ یتیموں کی یتیمی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کا مال ہڑپ لیں یا ناانصافی کی کوئی اور صورت اپنا کر اسے چٹ کر جانے کی کوشش کریں، ان کے سلسلے میں قرآن نے فرمایا:۔

ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونہم نارا وسیصلون سعیرا ۵

(نساء: ۱۰)

بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال بے انصافی سے کھاتے ہیں وہ بس اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔ اور وہ جلد ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے۔

جبکہ مشترک خاندانی نظام کا یہ وہ جرم ہے جس کے جرم ہونے کا احساس بھی نہیں۔ اور اس پر عامل معاشرہ زیاں کے ساتھ احساس زیاں سے بھی عاری ہے۔

اسلام نے ملکیت کے ذرائع کی صاف تعیین کر دی ہے جو تین ہی ہو سکتی ہیں۔ آدمی کی اپنی کمائی ہو۔ ترکہ میں کوئی چیز ملی ہو یا کسی نے بطور ہدیہ اور تحفہ کے اسے کوئی چیز دی ہو۔ ان کے علاوہ کسی کا کسی مال پر تصرف ناجائز اور 'مال کو باطل طریقے سے کھانے' کے ذیل میں آتا ہے۔ جسے قرآن نے سخت ترین لفظوں میں منع کیا ہے اور اسے 'قتل نفس' کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے جس سے اس جرم کی شدت اور اس کے گھناؤنے پن کا اظہار ہوتا ہے جبکہ مشترکہ خاندان میں محض فرسودہ رواج کی پیروی میں کسی تعیین کے بغیر گھر کے مالی معاملات مخلوط انداز میں چلتے رہتے ہیں۔ جس میں کچھ لوگ ہمیشہ چور دروازوں سے مال کے حصول اور مستقل اس کے مواقع اور ترکیبوں کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ مسلمان معاشرہ کو یہ آیت کریمہ جھنجھوڑ دینے کے لیے کافی ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض

اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں اپنے مالوں کو باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ سوائے اس کے کہ تجارت ہو جس میں تمہاری باہمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما ومن یفعل ذٰلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ نارا وکان ذٰلک علی اللہ یسیرا ہ

رضامندی ہو۔ اور تم ایک دوسرے کو جان سے نہ مارو۔ بیشک اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔ اور جو کوئی ایسا کرے سرکشی اور ظلم کی راہ اپنا کر تو جلد ضرور ہم اسے دوزخ میں ڈالیں گے۔ اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔ (نساء: ۲۹-۳۰)

خیال رہے کہ اسلام کے نقشہ میں جوان ہو کر بیٹا بھی باپ سے الگ معاشرہ کا ممتاز اور مستقل حیثیت کا حامل فرد ہو جاتا ہے۔ پھیلے ہوئے خاندان کے مختلف بھائیوں بھتیجوں وغیرہ کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یہ جب عاقل بالغ اور شادی شدہ ہو جائیں تو ان کے گھر در کے ساتھ ان کے مالی معاملات بھی ایک دوسرے سے بالکل الگ اور ممتاز ہو جانے چاہئیں۔ ان کی مخلوط مالیات میں جو بھی بے احتیاطی ہو گی قرآن کے نقطۂ نظر سے وہ "مال کو حرام طریقے سے کھانے" "اکل مال بالباطل" کے قبیل میں آئے گی اور مسلمانوں کا کوئی عرف و رواج اسے جائز اور حلال نہ قرار دے سکے گا۔[1]

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

مشترکہ خاندانی نظام (JOINT FAMILY SYSTEM) کے بالمقابل اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کا اوپر جو ہم نے نقشہ کھینچا ہے، خاص طور پر ہندوستان کے پس منظر میں اس سے ایک غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔ جس کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

---

[1] صدر اول کے مسلمانوں کو اس کا کس قدر لحاظ ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں رواج تھا کہ کوئی شخص اپنے بیٹے بیٹی یا رشتہ داروں اور دوستوں کے ہاں بے تکلف کھانے کی دعوت پر جاتا تو اپنے ساتھ نابینا، لنگڑے اور بیمار لوگوں کو بھی ساتھ لیا جاتا تھا۔ قرآن کی یہ آیت کریمہ اتری تو وہ اس سلسلے میں احتیاط کرنے لگے اور اس کو تقریباً بند کر دیا۔ سورہ نور کی آیت کریمہ 'لیس علی الاعمی حرج ....' (۶۱) میں ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے اس کی باقاعدہ اجازت دی گئی۔ اس آیت کے شان نزول میں مفسرین کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔ مفاتیح الغیب ج۳ / ۳۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہا جا سکتا ہے کہ یہ چیز مسلمان معاشرہ کو خود غرضی مفاد پرستی کے کھڈ میں ڈھکیل دے گی معاشرہ کا ہر فرد اپنے آپ میں مگن ہوگا۔ اور کسی کو دوسرے سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے اس مطلوبہ طرز معاشرت پر عمل کر کے انسانوں کے سب سے بڑے ہمدرد و بہی خواہ اور رشتے ناطے کے حقوق کا سب میں بڑھ کر لحاظ رکھنے والے تھے، جیسا کہ دنیا جانتی ہے تو آپ کے امتیوں کو بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے اس سلسلے میں کوئی رکاوٹ اور دشواری نہ ہونی چاہئے۔ گھر کی علحدگی کی وجہ صرف معاشرت کی آسانی اور سہولت ہے، اس کا یہ مطلب کیوں کر ہو سکتا ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور اعزہ و اقرباء کی اعانت و خبر گیری کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو جائے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے اپنے ماں باپ اور اعزہ و اقرباء کے ساتھ حسن سلوک آدمی کی اخلاقی ہی نہیں قانونی ذمہ داری بھی ہے۔ اور اس حسن سلوک کے اندر جسمانی خدمت اور مالی مدد و اعانت دونوں شامل ہے۔ اعزہ و اقرباء اور خاص طور پر ان میں رحمی رشتہ داروں، بھائی بہن، خالہ بھانجہ وغیرہ کے ساتھ بہتر سلوک اور ان کی ہر طرح سے نگرانی اور خبر گیری اسلامی تعلیمات کی انتہائی مہتم بالشان دفعہ ہے۔ رحمی رشتوں کا لحاظ نہ رکھنے والوں کو خدا تعالیٰ اپنے سے دور کر دیتا ہے[1] ایسا شخص جنت کے داخلہ سے محروم رہتا ہے[2] یہاں تک کہ اس کی نحوست سے پوری قوم کی قوم رحمت ایزدی سے محرومی کو اپنا مقدر بنا لیتی ہے[3] تو ظاہر ہے دین میں جس چیز کی اس قدر اہمیت ہو اس سے نگاہیں پھیرنے اور نظر انداز کرنے کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے، خاندان کی تقسیم اور گھر کی چھوٹی یونٹ کا مقصد دین کے ان دوسرے تقاضوں کی تکمیل ہے، جیسا کہ تفصیل گزری، جنھیں بڑے گھر اور پھیلے ہوئے خاندان میں ادا کرنے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ پھر اس کی وجہ سے دین کے کسی دوسرے تقاضے کو مجروح کرنے کی گنجائش کیوں کر

---

[1] بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب، باب من وصل وصلہ اللہ۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب البر والصلہ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا۔ نیز مسند احمد: ۱/ ۱۹۱، ۱۹۴۔ ۶/ ۶۲

[2] بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب، باب اثم القاطع، مسلم جلد ۲ کتاب البر والصلہ، باب صلۃ الرحم وتحریم قطیعتھا۔

[3] بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب البر والصلہ۔ فصل ثانی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکل سکتی ہے؟ یہاں تک کہ شادی کے بعد بیوی کی مرضی اور ہم آہنگی اور سازگاری کی صورت میں آدمی اپنے ماں باپ اور کمسن بھائی بہنوں وغیرہ کو اپنے ساتھ ADJUST بھی کر سکتا ہے۔ اور مشترک خاندان کی خرابیوں سے بچتے ہوئے سکون و اطمینان کی زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔

دوسری بات یہ کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ ہندوستان کے خاص حالات اور خاص پس منظر میں اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کو آن واحد میں نافذ نہیں کیا جا سکتا اس لیے شریعت نے نرمی اور تدریج کا جو اصول ہر جگہ ملحوظ رکھا ہے اس کے پیش نظر مشترک خاندانی نظام کی تبدیلی میں بھی اس کا لحاظ رکھا جانا چاہیئے۔ اور خاص حالات میں عبوری طور پر اس کی اجازت ہونی چاہیئے تو کسی درجہ میں یہ چیز بھی قابل غور ہو سکتی ہے۔ لیکن بڑا فرق ہے اس میں کہ ایک چیز کو مجبور کن حالات میں بعض مصالح کے تحت وقتی طور پر قابل انگیز سمجھا جائے اور اس میں کہ اسے سب سے اعلیٰ وارفع اور سب سے بڑھ کر خیر و برکت کا حامل اور مثالی اور آئیڈیل طرز معاشرت تصور کیا جائے۔؟

اسلام کا تصور مساوات

از :- سلطان احمد اصلاحی

اردو زبان میں اپنے موضوع پر پہلی مفصل کتاب جس میں "مساوات" کے رائج الوقت تصور کی کمزوریوں اور خامیوں کی نشاندہی اس کے مآخذ کی روشنی میں کی گئی ہے۔ معاصر دنیا کے جائزہ کے ساتھ اس سلسلے میں اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب کی ناکامی کو واضح کیا گیا ہے۔ اس کے بعد انسانی سماج میں آزادی و مساوات کی آبیاری میں اسلام کے امتیازی کردار کو پوری تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ اور اس کے اخلاقی، قانونی اور تاریخی تمام پہلوؤں پر علمی اور تحقیقی انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ آخر میں ان ممکنہ اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو اسلام کے تصور مساوات پر کیے جاتے ہیں۔ ڈیمائی سائز صفحات ۲۴۴ - قیمت ۲۰ روپئے

ملنے کا پتہ: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی - پان والی کوٹھی - دودھ پور علی گڑھ
مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۶

© rasailojaraid.com